ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک

قرونِ وسطیٰ کے اسلامی کتب خانے

انسان نے جب سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا ہے اسی وقت سے اس کے ذہن میں یہ خیال جاگزین ہے کہ وہ اپنی مصنفات و مؤلفات کے حفظ و بقا کا بھی اہتمام کرے۔ اس مقصد کے لیے دارالکتب اور لائبریریاں قائم کرنے کا رواج قدیم زمانے سے چلا آتا ہے۔

اقوامِ عالم میں سے سب سے پہلے بابلیوں نے کتب خانے قائم کیے، جن کے آثار بابل و آشور کے کھنڈرات میں ملے ہیں۔ بابلیوں کے بعد قدیم مصریوں نے کتب خانے کی طرف توجہ مبذول کی۔ یونانیوں نے بھی اپنے دورِ عروج میں بہت سی لائبریریاں قائم کیں۔ انھوں نے اسکندریہ میں جو مشہور مکتبہ قائم کیا وہ اسلامی فتوحات کے وقت موجود تھا۔ جب رومیوں کو عروج نصیب ہوا تو ابتدا میں انھوں نے یونانیوں کے کتب خانے روم میں منتقل کیے اور پھر اپنے ذاتی کتب خانوں کی داغ بیل ڈالی۔ بعدازاں دنیا کی اقوام و ملل نے لائبریریوں کے قیام کی طرف توجہ دینی چھوڑ دی۔ حتیٰ کہ مسلمان برسرِاقتدار آئے اور انھوں نے مختلف علوم و فنون کی کتابوں کو جمع کرنا اور انھیں لائبریریوں میں محفوظ کرنا شروع کیا۔

اسلامی کتب خانے

اسلام نے دینی و دنیوی علوم میں تفریق نہیں کی، بلکہ ان تمام علوم کو جن کے ذریعے انسان رموزِ کائنات سمجھ سکے اور اسرارِ عالم سے واقف ہو کر ہستیِ باری تعالیٰ تک پہنچ سکے سیکھنا لازمی قرار دیا۔ اس سلسلے میں قرآنِ مجید اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں واضح اور بین احکام موجود ہیں۔ ان ارشادات کی تعمیل میں مسلمانوں نے علوم و فنون کی تحصیل کو اپنا شعار بنا لیا۔ مسلمان جب مفتوح ممالک میں داخل ہوئے تو انھوں نے مفتوحین کے ساتھ وحشی اور جاہل اقوام کا سا سلوک نہیں کیا، بلکہ ان کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا جس کی توقع ہم دورِ حاضر کی انتہائی مہذب اور متمدن اقوام سے بھی نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں نے ان کے علمی مراکز کی حفاظت کی اور ان کے علما کی تعظیم کو ضروری سمجھا۔ علوم و فنون کی اس محبت کی وجہ سے جو اسلام نے ان کے دلوں میں پیدا کی تھی، انھوں نے مختلف علوم و فنون کی کتابیں محفوظ کرنے کی طرف

بھی خصوصی توجہ مبذول کی۔

اسلام کے ابتدائی دور ہی میں اہلِ علم حضرات نے اپنے لیے کتابوں کے مجموعے تیار کر لیے تھے۔ اگرچہ شروع شروع میں یہ کتابیں اشعار، اخبار اور امثال وغیرہ پر مشتمل تھیں، لیکن رفتہ رفتہ دیگر علوم کی کتابیں بھی ان کتب خانوں میں جگہ پانے لگیں۔ یہ کتابیں جھلیوں، چمڑے کے ٹکڑوں یا کپڑوں پر لکھی گئی تھیں۔ ابو عمرو بن العلا کے بارے میں روایت ہے کہ کتابوں سے اس کا گھر بھر گیا تھا۔ اصمعی، حماد ابو عبیدہ اور دیگر رواتِ شعر کے بارے میں بھی اس قسم کی روایات بیان کی جاتی ہیں۔ یہ لائبریریاں افراد کی ذاتی ملکیت تھیں۔ خلفائے بنو امیہ نے پبلک لائبریریاں قائم کرنے کی طرف توجہ منعطف کی۔ چنانچہ ایسی ہی ایک لائبریری سے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اہرون نامی طبیب کی کتاب حاصل کی اور اس کی مملکتِ اسلامیہ میں اشاعت کی۔

عباسی دور کو علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کے اعتبار سے مسلمانوں کا سنہری زمانہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس دور میں لائبریریوں کے قیام کی طرف خاص توجہ دی گئی۔ عباسی خلفائے ان میں ذاتی دلچسپی لی۔ عباسیوں کے دورِ عروج میں ہمیں بغداد میں متعدد عظیم الشان لائبریریاں نظر آتی ہیں۔ اندلس میں بنو امیہ نے بھی عباسیوں کے تتبع میں علم و حکمت کی سرپرستی کی اور بہت سی عظیم لائبریریاں قائم کیں۔ مصر کے فاطمی خلفانے بھی اس سلسلے میں اہم کارنامے انجام دیے۔ ذیل میں ہم مسلمانوں کے چند اہم کتب خانوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

بغداد کی لائبریریاں

بغداد کے کتب خانوں میں اہم ترین کتب خانہ بیت الحکمت تھا، جسے مشہور ترین روایت کے مطابق خلیفہ ہارون الرشید نے جاری کیا۔ اس کتب خانے میں علومِ اسلامیہ، طب اور دیگر علوم پر دوسری زبانوں سے عربی میں ترجمہ شدہ کتابیں جمع کی گئی تھیں۔

جب مامون تختِ خلافت پر متمکن ہوا اور اس نے عجمی زبانوں سے عربی میں تراجم کے لیے مجالسِ ترجمہ کی بنیاد رکھی تو اس نے یونانی، سریانی، فارسی، ہندی، قبطی اور دیگر زبانوں کی بہت سی کتابیں بیت الحکمت میں جمع کر دیں۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ خلیفے کو کتابوں کے ساتھ گہرا شغف ہے تو وہ اطراف و اکناف سے کتابیں لے لے کر بغداد میں خلیفے کے پاس آنے لگے۔ بیت الحکمت میں ترجمہ، نسخ، درس و تدریس

اور تصنیف و تالیف کے لیے علیحدہ علیحدہ انتظام کیا گیا تھا۔ نساخ کے لیے ایک جگہ مخصوص تھی، جہاں بیٹھ کر وہ کتابوں کی نقلیں تیار کرتے تھے۔ اسی طرح مترجمین، مؤلفین اور قارئین کے لیے بھی جگہیں معین تھیں۔ بیت الحکمت کے نساخوں میں علان الشعوبی کا نام خاص طور سے مشہور ہے۔ وہ فارسی النسل تھا اور بہت بڑا راوی، عالم اور ماہر انساب تھا۔ وہ بیت الحکمت میں بیٹھ کر ہارون الرشید اور برامکہ کے لیے کتابیں نقل کیا کرتا تھا۔ جو علما بیت الحکمت میں مطالعہ کی غرض سے آیا کرتے تھے، ان میں محمد بن موسیٰ خوارزمی، یحییٰ بن ابی منصور الموصلی، فضل بن نوبخت اور اولادِ شاکر قابلِ ذکر ہیں۔ بیت الحکمت کی نگرانی کے لیے ایک ناظم مقرر تھا جسے صاحب بیت الحکمت کہا جاتا تھا۔ مختلف اوقات میں جو لوگ بیت الحکمت کی نظامت کے فرائض انجام دیتے رہے ان میں سہل بن ہارون اور مسلم کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ سہل بن ہارون فارسی النسل تھا۔ مسلم بھی فارسی النسل تھا۔ اس نے متعدد کتابیں فارسی سے عربی میں ترجمہ کیں۔

باشندگانِ بغداد نے بیت الحکمت کے نمونے پر بعد میں متعدد دار الکتب قائم کیے، جن میں سے مشہور ترین وہ مکتبہ تھا جسے بہاؤ الدولہ کے وزیر ابو نصر سابور بن اردشیر نے ۳۸۱ھ میں کرخ میں وقف کیا۔ اس مکتبے میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں موجود تھیں۔ یہ کتب خانہ ۴۴۷ھ میں جب پہلا سلجوقی فرماں روا طغرل بیگ بغداد میں داخل ہوا تو کرخ کے کچھ محلوں کے ساتھ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ عبد السلام البصری اللغوی (متوفی ۴۰۵ھ) اس مکتبے کے نگران کے طور پر کام کرتا رہا۔

اندلس کی لائبریریاں

اندلس کے اموی حکمرانوں میں سے حکم بن الناصر کا نام علمی خدمات کے اعتبار سے خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ حکم بن الناصر ۳۵۰ھ میں خلیفہ بنا اور ۳۶۶ھ میں فوت ہوا۔ وہ بڑا علم دوست خلیفہ تھا اور علما کی بہت تعظیم اور مصنفین کی بڑی تکریم کرتا تھا۔ اسے کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس نے قرطبہ میں ایک عظیم کتب خانے کی بنیاد رکھی، جس میں دنیا کے مختلف حصوں سے کتابیں منگوا کر رکھیں۔ کتابوں کی خرید کے لیے اس کے نمائندے مختلف ممالک میں جاتے اور منہ مانگی قیمت دے کر کتابیں خرید لیتے۔ ابو الفرج اصفہانی مصنف کتاب الاغانی اس کا ہم عصر تھا۔ حکم نے اس کی طرف قاصد بھیجا اور کہا کہ وہ اپنی کتاب کا پہلا نسخہ بنو عباس کے دربار میں بھیجنے کی بجائے اسے بھیجے، اس کے عوض اس نے ایک ہزار دینار دیے۔ ابو بکر الابہری کی کتاب شرح المختصر ابن عبد الحکم کا پہلا نسخہ حاصل کرنے کے لیے اس نے قاضی ابو بکر الابہری

کو بہت بڑا انعام دیا۔ حکم نے اپنے محل میں کتابوں کے لیے علیحدہ کمرے مخصوص کر دیے تھے اور ان کی دیکھ بھال کے لیے خادم مقرر تھے۔ کتابوں کے موضوع کے اعتبار سے فہرستیں تیار کی گئیں۔ اس لائبریری میں جو دیوان موجود تھے ان کی ۴۴ فہرستیں تھیں۔ ہر فہرست میں ۲۰ ورق تھے۔ اگر ایک صفحے میں ۲۰ نام ہوں تو اس حساب سے صرف دیوانوں کی تعداد ۴۴۰۰۰ ہوگی۔ اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کتب خانے میں کتابوں کی کل تعداد کتنی ہوگی؟ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ اس مکتبے میں کتابوں کی تعداد چار لاکھ کے قریب تھی۔

حکم کے درباریوں اور امرا نے بھی اس سے متاثر ہو کر کتب خانے قائم کرنے کی طرف توجہ مبذول کی۔ کہا جاتا ہے کہ صرف غرناطہ میں ۷۰ پبلک لائبریریاں تھیں۔ اندلس میں کتابوں کے ساتھ محبت اور ان کے حصول کے لیے سرمایہ خرچ کرنا سرداری و ریاست کی علامت خیال کیا جاتا تھا۔ بسا اوقات ایک جاہل اور ان پڑھ رئیس صرف اس بنا پر کتب خانہ قائم کرتا اور اس پر دولت صرف کرتا تا کہ لوگ اس کے کتب خانے کی تعریف کریں۔ حضرمی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ قرطبہ گیا اور ایک کتاب کی تلاش میں بازاروں کی خاک چھانتا رہا۔ بالآخر وہ کتاب مجھے ایک جگہ نیلام ہوتی نظر آگئی۔ یہ دیکھ کر میں بہت خوش ہوا اور میں نے نیلام میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ جب میں بولی دیتا تو نیلامی کرنے والا کسی دوسرے کے نام زائد بولی کا اعلان کر دیتا۔ اس طرح کتاب کی قیمت بڑھتی رہی، حتیٰ کہ کتاب کا خریدنا میری استطاعت سے باہر ہو گیا۔ میں نے نیلامی کرنے والے سے کہا۔ "براہِ کرم مجھے وہ آدمی تو دکھا دیجیے، جس کی بنا پر میں کتاب سے محروم ہو گیا ہوں۔" اس نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا جو سرداری اور ریاست کا لباس زیب تن کیے ہوئے تھا۔ میں اس کے قریب گیا اور کہا۔ "اے بزرگ فقیہ! اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے، اگر آپ کو اس کتاب کی ضرورت ہے تو میں آپ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں، کیوں کہ اس کی قیمت پہلے ہی بہت بڑھ چکی ہے۔ اس نے جواب دیا۔" میں نہ فقیہ ہوں اور نہ فقہ کے بارے میں کچھ جانتا ہوں۔ میں نے تو ایک کتب خانے کی بنیاد رکھی ہے اور اس میں اس غرض سے اچھی اچھی کتابیں جمع کی ہیں تاکہ اعیانِ شہر کے مقابلے میں تفاخر کا اظہار کر سکوں۔ اس کتب خانے میں ایک کتاب کی جگہ خالی تھی۔ میں نے اس کتاب کو خوش خط لکھا ہوا پایا اور اس کی جلد بھی خوب صورت دیکھی تو یہ مجھے بھا گئی۔ میں ایک رئیس شخص ہوں۔ اب مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ اس پر کتنا مال صرف ہوتا ہے۔"

حضرمی لکھتے ہیں، اس کا یہ جواب مجھے بُرا محسوس ہوا اور میں نے کہا۔" ہاں رزق تو آپ ایسے لوگوں کے پاس ہی کثرت سے ہوتا ہے۔ بادام اُسے کھانے کے لیے ملتے ہیں جس کے دانت نہ ہوں۔ میں اس بات سے باخبر ہوں کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہے اور اس سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں، لیکن میرے پاس رزق تھوڑا ہے اور قلتِ مال میرے اور میری خواہش کے مابین حائل ہو رہی ہے۔"

قرطبہ والے ہر دور میں کتابوں کے پرستار رہے اور اس کے برعکس اشبیلیہ والے لہو ولعب، اور طرب کے دل دادہ تھے۔ چنانچہ اگر اشبیلیہ میں کوئی عالم فوت ہو جاتا اور اس کی کتابوں کو فروخت کرنے کا ارادہ ہوتا تو وہ قرطبہ بھیجی جاتیں۔ اور اگر قرطبہ میں کوئی گویّا مر جاتا تو اس کے آلاتِ موسیقی فروخت کے لیے اشبیلیہ روانہ کیے جاتے۔

مصر کے کتب خانے

خلفائے بغداد اور اندلس کی طرح مصر کے فاطمی خلفا بھی بڑے علم دوست اور علما کے قدردان تھے۔ ان کے دور میں مصر میں بھی بہت سے کتب خانے قائم کیے گئے۔ اس سلسلے کی ابتدا عزیز باللہ ثانی نے کی جو ۳۶۵ھ میں تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے تاریخ، ادب، فقہ اور دیگر علوم پر اہم تالیفات کے حاصل کرنے کی غرض سے زرِ کثیر صرف کیا اور اپنے محل کے متعدد کمروں کو ان کتابوں کے لیے مخصوص کر دیا۔ اس کتب خانے کو اس نے "خزانۃ الکتب" کے نام سے موسوم کیا۔ اس کتب خانے میں خلیل بن احمد کی کتاب العین کے تیس سے زیادہ نسخے تھے۔ ان میں سے ایک نسخہ خلیل کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ تاریخ طبری کے بیس نسخے تھے، جن میں سے ہر ایک نسخہ سو سو دینار میں خرید اگیا تھا۔ الجمہرہ ابن درید کے بھی سو نسخے اس کتب خانے میں موجود تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، اس کتب خانے میں مختلف کتابوں کے نسخوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ جب سلطان صلاح الدین مصر پر قابض ہوا، اس وقت اس میں تاریخ طبری کے بارہ سو نسخے تھے۔ قرآن مجید کے ۲۴۰۰ نسخے تھے، جو مشہور و معروف خطاطوں کے لکھے ہوئے تھے، اور جن پر آبِ زر کے ساتھ نقش و نگار کیے گئے تھے۔ المقریزی لکھتے ہیں کہ اس کتب خانے میں فقہ، نحو، لغت، حدیث، تاریخ، نجوم، روحانیت اور دیگر علوم پر ۱۶ لاکھ کتابیں موجود تھیں، جن میں سے صاحبِ تراجم الحکما کے بیان کے مطابق ۱۸ ہزار کتابیں علومِ قدیمہ پر تھیں۔ ۶۵۰۰ اجزا نجوم، ہندسہ اور فلسفے سے متعلق تھے۔

عزیز باللہ کو اپنے کتب خانے کے ساتھ گہرا شغف تھا۔ وہ بذاتِ خود کتابوں کی دیکھ بھال کے لیے وہاں جایا کرتا تھا۔ کتب خانے کا ایک ناظم مقرر تھا جو کتابوں کی نگہداشت کرتا اور خلیفے کو کتابیں پڑھ کر سناتا۔ ابنِ خلکان لکھتے ہیں کہ ابوالحسن الشابشتی الکاتب (متوفی ۳۹۰ھ) یہ خدمت بجالاتے رہے۔

فاطمیوں کے زوال کے ساتھ ہی یہ کتب خانہ انقلابِ زمانہ کا شکار ہوگیا اور اس کی بہت سی کتابیں نذرِ آتش ہوگئیں۔ باقی ماندہ کتابیں دریائے نیل اور صحرا میں پھینک دی گئیں۔ صحرا میں کتابوں کے ڈھیروں کے ارد گرد ریت کے ٹیلے بن گئے جو "کتابوں کے ٹیلے" کے نام سے مشہور ہوئے۔ چھٹی صدی ہجری کے وسط میں جب قاہرہ پر کُرد قابض ہوئے تو انھوں نے دیگر اشیا کے علاوہ محلات سے ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں بھی حاصل کیں جو سلطان صلاح الدین نے عبدالرحیم البریانی کو دے دیں۔

دارالحکمت

یہ کتب خانہ دارالعلم کے نام سے بھی مشہور تھا۔ اس کی بنیاد ۳۹۵ھ میں حاکم بامر اللہ بن عزیز باللہ نے قاہرہ میں قصرِ غربی کے جوار میں رکھی۔ خلیفے نے محلوں کے کتب خانوں سے کتابیں دارالحکمت میں منتقل کردیں اور اس کے علاوہ متعدد وقف قائم کیے، جن کی آمدنی سے کتابیں خرید کر اس کتب خانے میں رکھی جاتی تھیں۔ اس مکتبے کو فرش وستور کے ساتھ آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا اور اس کے لیے بہت سے خادم اور نگہبان مقرر تھے۔ بعض مؤرخین دارالحکمت کو لائبریری کے بجائے مدرسہ قرار دیتے ہیں، کیونکہ الحاکم نے اس میں قاری، منجم، علمائے صرف، ماہرینِ نحو اور اطبا وغیرہ کو بھی متعین کر رکھا تھا، جو لوگوں کو درس دیتے تھے۔ مطالعے کے تمام شائقین کو دارالحکمت میں جانے اور استفادہ کرنے کی عام اجازت تھی۔ کاغذ، قلم اور روشنائی کا حکومت کی جانب سے انتظام تھا۔ الحکم دارالحکمت کے علما کو اپنے دربار میں بلاتا اور مامون کی طرح ان کے درمیان مناظرہ کراتا اور انھیں انعام دیتا۔ دارالحکمت میں استفادے کے لیے آنے والوں کو خلیفے کی جانب سے بحث و مناظرے کی اجازت تھی چنانچہ وہاں مجالس مناظرہ منعقد ہوتیں اور بعض اوقات مناظرے سے بڑھ کر نوبت جدال تک جا پہنچتی۔ اصحابِ بدعت نے ان اجتماعوں سے غلط فائدہ اٹھایا اور اپنے فاسد عقاید پھیلانے کے لیے ان مجلسوں میں شریک ہونے لگے۔ چنانچہ افضل بن امیر الجیوشی نے چھٹی صدی ہجری کے شروع میں ان مجالس کو بند کرنے کا حکم صادر کردیا۔ جب افضل فوت ہوا تو خلیفہ آمر باحکام اللہ نے اپنے وزیر المامون بن المطائحی کو حکم دیا کہ ان مجالس کو پھر سے شروع کردیا جائے لیکن یہ شرط عاید کی کہ ان میں کوئی خلافِ شرع بحث نہ کی جائے۔ اس مکتبے میں کم و بیش ایک لاکھ کے قریب کتابیں جمع تھیں۔ جب صلاح الدین ایوبی سلطانِ مصر بنا تو اس نے دارالعلوم کو منہدم کرا کر اس کی جگہ شافعیوں کا ایک مدرسہ تعمیر کردیا۔

شام کے کتب خانے

فاطمیوں کے دور میں شام میں بھی بہت سے کتب خانے قائم ہوئے۔ طرابلس الشام میں ایک بہت بڑی لائبریری تھی۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ جب فرنگیوں نے طرابلس الشام کو فتح کیا تو اس کتب خانے کو لوٹ لیا۔ گبن لکھتا ہے کہ اس میں ۳۰ لاکھ کتابیں تھیں جن کو فرنگیوں نے نذرِ آتش کر دیا۔ جب نورالدین زنگی شام کا والی بنا تو اس نے مختلف شہروں میں مدرسے قائم کیے، جن کے ساتھ کتب خانے بھی تھے۔ یہ کتب خانے "الخزائن النوریہ" کے نام سے مشہور ہوتے۔ سلطان صلاح الدین نے بھی اپنے دورِ حکومت میں متعدد کتب خانے قائم کیے۔

مذکورہ بالا کتب خانوں کے علاوہ عالمِ اسلام کے اطراف و اکناف میں اور بھی بہت سے کتب خانے موجود تھے جن میں ہزاروں کتابیں تھیں۔ بخارا، خراسان اور ماوراءالنہر کے کتب خانوں کا تذکرہ تاریخ و ادب کی کتابوں میں آتا ہے۔ یاقوت حموی "معجم البلدان" میں مرو الشاہجہان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس شہر میں دس کتب خانے موجود ہیں، جن کی کتابوں کی جودت و کثرت کے اعتبار سے کہیں مثیل نہیں ملتی۔ یاقوت نے ان کتب خانوں اور ان کے واقفوں کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ بخارا میں بھی سلطان نوح بن منصور سامانی کا ایک عظیم الشان کتب خانہ تھا۔ ابو علی بن سینا اس کتب خانے کے بارے میں کہتا ہے "میں نے اس کتب خانے میں ایسی ایسی کتابیں دیکھی ہیں، جن کے نام بھی لوگوں تک نہیں پہنچ سکے"۔ ہلاکو خان تاتاری نے بھی نصیر الدین طوسی کے لیے مراغہ میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا، جس میں ۴ لاکھ کتابیں جمع تھیں۔ یہ کتابیں بغداد، شام اور عراق سے لوٹ کر لائی گئی تھیں۔

گزشتہ سطور میں ہم نے "مکاتبِ عمومیہ" یعنی پبلک لائبریریوں کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ یہ لائبریریاں خلفاء و امراء نے لوگوں کے استفادے کے لیے قائم کی تھیں۔ ان میں مسجدوں، مدرسوں اور ہسپتالوں کی لائبریریاں شامل تھیں۔ بعض علما نے اپنی ذاتی لائبریریاں بھی قائم کر رکھی تھیں، جو کتابوں کی وسعت اور کثرت کے اعتبار سے سرکاری لائبریریوں سے کم نہ تھیں۔ صاحب بن عباد کی کتابیں ۴۰۰ اونٹوں پر لادی جاتی تھیں۔ ابراہیم نامی مصری طبیب جب فوت ہوا تو اس نے بیس ہزار کتابیں ترکے میں چھوڑیں۔ موفق الدین المطران کے مکتبے میں دس ہزار کتابیں تھیں، امین الدولہ کے پاس ۲۰ ہزار جلدیں تھیں۔ اسی طرح فتح بن خاقان اور ابن القفطی کے بھی ذاتی کتب خانے تھے۔